پروفیسر آئی ایس طاہر علی

عربی ادب کی شاہکار

النظرات کا مقدمہ

مصطفیٰ بن محمد لطفی المعروف بہ المنفلوطی (۱۸۷۶ - ۱۹۲۴ء) مصر کے ایک گاؤں منفلوط میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گاؤں میں ہوئی۔ گیارہ سال کی عمر میں حافظِ قرآن ہونے کے بعد قاہرہ آئے۔ اور جامع ازہر میں داخل ہوگئے جہاں دس سال تک تعلیم حاصل کرتے رہے۔ الازہر سے تعلیم کی سند حاصل کرنے کے بعد پھر وطن چلے آئے۔ اور دو برس تک "المؤید" میں ہر ہفتہ کوئی نہ کوئی مضمون لکھتے رہے۔ پھر سیاست میں حصہ لیا اور وفد پارٹی میں شامل ہوگئے۔ اور قاہرہ میں ساری زندگی گذاری۔ جہاں انہیں شیخ محمد عبدہٗ کی صحبت کا فیض نصیب ہوا۔

المنفلوطی اپنے زمانے کے اچھے انشا پردازوں میں گنے جاتے ہیں انہوں نے انشا پردازی میں دو کتابیں چھوڑی ہیں۔ ایک 'النظرات' جو تین جلدوں میں ہے۔ اور دوسری 'العبرات' جو ایک ہی جلد میں ہے۔ زیر نظر مضمون النظرات کی پہلی جلد کا مقدمہ کا ترجمہ ہے جو المنفلوطی کی شخصیت کے کئی پہلوؤں کو اجاگر کرتا ہے۔ یہ مقدمہ ان کا خود نوشتہ ہے۔ المنفلوطی کو ادیبوں کی کتابوں میں 'العقد الفرید' 'الاغانی' اور زہر الآداب سب سے زیادہ پسند تھیں۔

شاعروں میں ان کے نزدیک المتنبی، البحتری، ابو تمام

اور الشریف الرضی کے دیوان بہترین تھے۔ اور انشاپردازوں میں ابن المقفع۔ عبدالحمید، ابن خلدون اور ابن الاثیر کی تصانیف اعلیٰ قسم کے شاہکار تھے۔

وہ مصر میں انگریزوں کے اقتدار اور تسلّط کو تہ دل سے ناپسند کرتے تھے۔ اور سعد زغلول پاشا کے حامیوں میں سے تھے۔

بہت لوگ انشاپردازوں سے اور مجھ سے دریافت کرتے ہیں کہ انشاپردازی کیسے کی جائے۔ بالفاظ دیگر وہ میرے اسلوبِ عمل کو معلوم کرنا چاہتے ہیں تاکہ خود بھی اس پر گامزن ہوں۔ مگر میں ان کے لئے یہی بہتر سمجھتا ہوں کہ وہ ایسا نہ کریں۔ میں نہ ان کے لئے اور نہ کسی بھی ادبی کام کرنے والے کے لئے یہ مناسب سمجھتا ہوں کہ وہ کسی اور کے طریقہ کے پابند ہوں۔ علاوہ بریں اگر ان کو یہ یقین ہو کہ مجھے انشاپردازی میں کوئی برتری حاصل ہے تو مجھ میں یہ طاقت نہیں ہے کہ میں اپنی انشاپردازی اس ڈھنگ سے کروں تاکہ ان کا یہ اعتراف قائم رہے۔ بہرکیف مجھ میں یہ طاقت ضرور ہے کہ میں کسی کی تقلید اور پیروی کی زنجیروں میں نہ جکڑا جاؤں۔ مجھے جن چیزوں نے فائدہ پہنچایا ہے ان میں ایک میرا کمزور حافظہ ہے اور دوسرا میرا محدود مطالعۂ کتب میں نظم و نثر میں وہی پڑھتا ہوں جو اللہ کو منظور ہے۔ ایک دفعہ مطالعہ کرنے کے بعد پھر ان کی طرف میں رجوع نہیں کرتا۔ صرف ان کا جمالیاتی پہلو اور اسکے تاثرات میرے ذہن میں جاگزیں ہو جاتے ہیں۔ میں نے کبھی کتابوں کا مطالعہ اس غرض سے نہیں کیا کہ تمام مواد اپنے ذہن میں بھرلوں یا ان سے اپنے اندازِ بیان، اصلاحِ زبان یا حصولِ مواد میں مدد لوں۔ میری غرض و غایت صرف جمالیاتی ہوتی ہے۔ اور یہی پہلو ہمیشہ میرا دامن کھینچتا رہا ہے چاند اگ رہا ہو۔ یا سورج غروب ہو رہا ہو۔ رات کا سناٹا ہو یا فجر کی روشنی ہو، پہاڑوں کی چوٹیاں ہوں یا دامنِ کوہ ہو۔ نہر کا کنارہ ہو یا سمندر کی موج ہو۔ نغمۂ سرود ہو یا حدی خوانی ہو۔ پرندوں کا چہچہاتا ہو یا پھولوں کا بکھرا ہوا تودہ ہو۔ حسن کرشمہ ساز ہو یا رعنائی لطافت کی تجلی ہو شاعر کا مرقع ہو یا نثر نگار کا شاہکار ہو۔ میں ان سے اتنا ہی استفادہ کرتا ہوں جتنا کہ ایک باغ میں سیر کرنے والا کرتا ہے۔ باغ میں کئی پودے ہوتے ہیں اور ہر پودے کی ڈالیوں میں رنگ برنگ کے پھول کھلے ہوئے ہوتے ہیں۔ مگر کسی ایک شاخ میں ایک خوشنما

اور دلکش پھول دکھائی دیتا ہے۔ میرے دامن دل کو اپنی طرف کھینچتا ہے اور اس کی ساخت اس کی چمک دمک اس کا حسن نظر مجھ پر جادو کا سا اثر کرتا ہے۔ ایسی حالت میں نہ میں اس پھول کو توڑنا چاہتا ہوں اور نہ اسے اپنی جگہ سے ہٹانا میرا مقصود ہوتا ہے۔ اس کو چھوڑ کر کسی اور پھول کی طرف ہو جاتا ہوں حتیٰ کہ میں باغ سے باہر آتا ہوں اور میرا دل نہ صرف پرطرب ہوتا ہے بلکہ اس پر ایک وجد کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ یہ نتیجہ ہے اس بات کا کہ میں نے باغ میں کئی چکر کاٹے اور بعض پھولوں کے پاس کچھ دیر کھڑا رہا اور ایسا محسوس ہونے لگا کہ میں کسی اور عالم میں ہوں اور مجھ پر وہ کیفیت چھائی ہوئی ہے جو اس سے پہلے کبھی نہ تھی میں نے ان آنکھوں سے نہیں کسی دوسری آنکھوں سے چیزوں کو دیکھنا شروع کیا۔ اور مجھے ان پھولوں میں عجیب وغریب داستانیں یاد آنے لگیں جن کی وجہ سے آنکھوں میں نور اور دلوں میں سرور پیدا ہوتا ہے۔ میں جب انسانوں کو دیکھتا ہوں تو مجھے ان کے نفس یاد آتے ہیں اور اگر کوئی حسین چیز دیکھتا ہوں تو اس کا جوہر نظر آتا ہے۔ اگر کوئی خیر کی بات ہو تو مجھے اس کا حسن نظر آتا ہے اور اگر کوئی شر کی بات ہو تو مجھے اس کا قبح نظر آتا ہے۔ آرام اور عیش کی زندگی میں چہچہے اور قہقہے نظر آتے ہیں اور تنگدستی اور افلاس میں خون جگر نظر آتا جاتا ہے۔ آنکھوں میں ان کے پوشیدہ جادو کو پا لیتا ہوں اور لب لعل اور در دندان کے درمیان مجھے مئے ناب جھلکتا نظر آتا ہے۔ اگر آفتاب عالمتاب ہو تو مجھے آسمانوں میں رقص کرتے ہوئے چمکدار تار نظر آتے ہیں۔ اگر مہتاب ہو تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کا نور اسی پر قربان ہوا جا رہا ہے۔ اگر صبح صادق ہو تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کی روشنی رات کی تاریکی میں اس طرح پیوست ہو رہی ہے جیسے کہ بڑھاپا شباب پر چھا رہا ہو۔ اور اگر انجم ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کی چمکتی ہوئی آنکھیں رات کی سیاہی کے قمیص کے اندر سے کائنات پر ٹکٹکی لگائی ہوئی ہیں۔

اگر رات ہو تو وہ اپنے کالے پروں کے ساتھ زمین کی طرف آتی ہوئی ایسی نظر آتی ہے جیسے اونگھ پلکوں میں سرایت کرتی ہے۔ مجھے پانی کے بہنے کی آواز میں مناجات سنائی دیتی ہے اور درخت کے پتوں کی سرسراہٹ میں نغمات سمجھ میں آتے ہیں۔ مجھے پرندوں کی آوازیں ان کی بولیاں سنائی دیتی ہیں۔ چنانچہ میں نے ادبیات کو بہت پسند کیا اور اپنے پہلوؤں کو

ادبیات سے بھر دیا۔ میرے نزدیک اس وقت سے زیادہ پسندیدہ کوئی وقت نہیں جب کہ میں خلوت نشین ہو جاؤں اور اپنے کمرے کا دروازہ بند کر لوں اور اپنے آپ کو کتاب کے سپرد کر دوں۔ اس وقت میں یہ سمجھتا ہوں کہ میں اس دنیا میں نہیں ہوں بلکہ گذشتہ زمانے کے کسی عالم میں ہوں اور اپنی آنکھوں سے "عربیۃ الاول" کے زمانہ کو دیکھتا ہوں۔ اور زمانۂ جاہلیت کے رہنے والے عربوں کے اون اور بالوں کے خیموں میں اور ان کی رسیّوں، لکڑیوں، اونٹوں، بھیڑوں۔ ریگستانی درختوں اور ریتیلے تودوں کے درمیان اپنے آپ کو پاتا ہوں۔ میں ان کے شعرگوئی کے مقابلوں کو اور فیصلوں کو، نیز ان کی رومانی باتوں کو ان کی عفت و وفاداری کو اور ان کی صبر آزما ہمت کو ان کی حدی خوانی کو۔ ان کے شعراء کے بازاروں کو، ان کے خطیبوں کی مجلسوں کو، ان کی محتاجی اور افلاس کو، ان کے گندمی رنگ کے چہروں کو، ان کے نازک اندام کو، دیکھتا ہوں اور ان کا موسم گرما اور موسم سرما میں سفر کرنا، ان کا صحرا سے سبزہ زار کی طرف جانا، ان کا پہاڑیوں پر سے اترنا۔ ان کا پانی والی جگہ کو اور سبزہ زار کو تلاش کرنا، ان کا کھجور، اور اونٹنی کا دودھ اور جو کی روٹی پر قانع ہونا دیکھتا ہوں ان کا گوہ کے گوشت پر قناعت کرنا اور پادیوں کے مکانوں میں اور کمبلوں اور بالوں کی چادروں پر اور اونی کرتوں پر قناعت کرنا دیکھتا ہوں اور جب یہ بھی انہیں میسر نہ ہو تو میں ان کو دیکھتا ہوں کہ وہ سایہ کو لباس اور ریتیلی زمین کو فرش بناتے ہیں اور میں انہیں خدا کے اٹل فیصلہ سے اور ان کی مقدر میں لکھی ہوئی روزی سے تنگدل اور گریہ کناں نہیں پاتا ہوں۔ میں نے ان عربوں کو فتوحات اسلامیہ کے بعد بھی دیکھا کہ وہ کیسے ناز و نعم کی زندگی گذارتے تھے اور ان کا ماحول کتنا خوشگوار تھا۔ اور ان کی دینی اور دنیوی مسرتوں کو دیکھا جو انہیں ایران اور روما کی شکست پر نصیب ہوئی تھیں اور ان کے گھروں میں حور و غلمان کام کرتے تھے۔

ان کے علاوہ میں نے ان عربوں کی رقص و سرود کی محفلیں، ان کے گھڑ دوڑ کے میدان میں سب سے اول آنے والے گھوڑے، ان کی شکارگاہیں، ان کے حج کے مواقف، ان کے شعراء کا امیروں کی بارگاہوں میں جانا۔ ان شعرا کی حوصلہ افزائی، ان کی زباندانی اور آلات موسیقی پر مہارت تامہ، ان کی مٹھائیاں اور ہر قسم کی شراب ان کا پرندوں کا

پالنا اور فضا میں اڑانا، ان کی کشتیاں اور بجرے، ان کے باغات، ان کے اشجار، اُن کے حویلیوں میں رکھے ہوئے مجسمے، ان کے حوض اور مچھلیاں ان کی نہریں، ان کے پھول اور ان کی خوشبو، ان کی برکھا رت اور رم جھم، ان کے دلوں کی محبت ان کے سریلے نغمے، اور مے نوشی، ان کے شکوک وشبہات ان کی تیزیٔ فکر اور آرزوؤں کی جھلک دیکھنے کے بعد میرا دل کبھی یہ گوارا نہیں کرتا کہ اب میں کوئی اور محبت و وفا کی داستان یا ظرافت آمیز بات اور فلسفہ سنوں۔ مجھے ان میں سے ہر چیز وہاں مل جاتی ہے۔ میری کبھی یہ خواہش نہ ہوئی کہ اب کسی دوشیزہ کی آواز پس پردہ سنوں یا کوئی ساربان میرے سامنے حدی خوانی کرے یا کوئی عاشق زار گنگنائے یا کوئی سیہ مست بکواس کرے یا کوئی خوش الحانی سے گائے یا کوئی کنویں سے پانی کھینچنے والا پہیلیوں کا مقابلہ کرے۔ یہ سب مجھے وہاں مل جاتا ہے۔ یہ خواہش بھی میرے دل میں کبھی پیدا نہ ہوئی کہ میں ان وسوسوں کو پاؤں جو رات کے اندھیرے میں ایک عاشق زار کے دل میں ہوتے ہیں یا ایک راستہ بھولے ہوئے مسافر کے دل میں، یا ایک اکلوتے بیٹے کی موت کی وجہ سے اس کی ماں کے دل میں، یا اس کے دل میں جو اپنے مقتول عزیز کے خون کا بدلہ نہ لے سکے یا اس اولوالعزم انسان کے دل میں جب کہ کوئی غمناک منظر اس کے سامنے ہو، یا کسی پردیسی یا قیدی یا خوفزدہ شخص یا بہادر سپاہی جو میدان کارزار میں جا رہا ہو یا کسی غمزدہ مفلوک الحال یا کسی زندگی سے بیزار ہونے والے کے دل میں، یا کسی آبرودار کی آبرو ریزی ہونے پر یا کسی بدکردار کی غیر مہذب شخص کے ساتھ بدسلوکی کی وجہ سے پیدا ہوتے ہوں اور نہ ہی یہ خواہش ہوتی ہے کہ میں زمانہ کی ستم ظریفی دیکھوں جو وہ عزت وذلت ثروت و فقر، آرام و تکلیف، اقبال اور ادبار کے وقت کرتا ہے اور اپنے خونی پنجوں سے بڑی بڑی حویلیاں ویران کر دیتا ہے اور خوشنما باغات کو اجاڑ دیتا ہے مجھے تو یہ معرفت حاصل ہو چکی ہے۔ اور ان باتوں سے مجھے وہ مسرت حاصل ہوئی ہے جو بہت کم مالدار اور عیش وعشرت کرنے والوں کو نصیب ہوتی ہے میرا تو یہ عقیدہ ہے کہ اللہ جل شانہ نے مجھ پر بہت بڑا احسان کیا ہے کہ مجھے اس نے دولت و ثروت سے نہیں نوازا بلکہ اس جمالیاتی دولت سے نوازا ہے جو شک اور گناہ کے شائبہ سے پاک اور مبرا ہے اور مجھے ایک

انوکھی افسانوی دنیا بخشی ہے۔ جس میں میرے لئے آرام ہے۔ اللہ جل شانہ نے یہ سب اس لئے کیا کہ مبادا میں اس مایوسی اور ناامیدی کی وجہ سے ہلاک ہو جاؤں۔ چنانچہ میں اس پرکیف فضا میں چکر کاٹتا رہتا ہوں کبھی خوش ہوتا ہوں اور کبھی غمزدہ رہتا ہوں۔ کبھی گاتا ہوں اور کبھی روتا ہوں۔ نہ رات کے آنے والوں نے مجھ سے ہمدردی کی اور نہ خوش نصیب لوگوں نے میری پرواہ کی۔

اس وقت میرے آس پاس کوئی شخص نظر نہیں آتا جس سے مجھ جیسا انسان ادبیات میں مدد حاصل کر سکے۔ میں تو شروع سے ایسی ہی زندگی گذار رہا ہوں۔ جب میں تیرہ سال کا ہوا تو میں ازہر کے مشائخ کے زیر اثر نہ رہ سکا۔ علمائے ازہر کا خیال تھا کہ ادبیات میں میری کوئی رائے نہیں ہو سکتی۔ حالانکہ ادبیات سے ان کو وہ تعلق نہیں تھا جو مجھے تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ ادبیاتی شوق وذوق ایک بیہودہ اور شیطانی عمل ہے۔ ان علماء میں سے جو لوگ میرے نگراں تھے مجھے ادبیات سے اسی طرح روکتے تھے جیسے کہ ایک باپ اپنے بیٹے کو بچپن کی باتوں سے روکتا ہے۔ وہ سمجھتے تھے کہ میں اپنے تعلیم کے اوقات کو لغو باتوں میں گنوا دوں گا۔

چنانچہ میں عربی ادب کی کتاب اسی وقت پڑھ سکتا تھا جب کہ مجھے کامل یقین ہوتا کہ میرے اس فعل کی انہیں مطلق خبر نہ ہوگی۔ لیکن ایسے مواقع شاذ و نادر ملا کرتے تھے۔ جو چیز علماء ازہر کو ناپسند ہوتی تھی اس پر وہ مجھے جھڑکتے تھے۔ اگر انہیں میرے تھیلے میں یا میرے بستر پر یا میرے کپڑوں کی گٹھری میں کسی شاعر کا دیوان یا کوئی ادبی کتاب مل جاتی تو وہ سمجھتے تھے کہ گویا کسی چور کے تھیلے میں چرایا ہوا مال مل گیا یا کسی بچے کی جیب میں کوئی شیشہ کا ٹکڑا مل گیا۔ یا کسی دوشیزہ کے ہاں کوئی عاشق پکڑا گیا۔ اس صورت حال سے مجھے وہ اذیت پہنچتی تھی جو ناقابل برداشت ہوتی تھی۔ وہ شاید بھولے ہوئے تھے کہ ان کو لوگ نظر احترام سے اسی لئے دیکھتے ہیں کہ وہ انہیں "حسنۃ" یعنی ادب کی نیک یادگار سمجھتے ہیں۔ یہ ادبیات ہی کا کرشمہ ہے کہ معاشرے میں ایسے لوگ موجود ہیں جو اسلاف کی تصنیفات سے استنباط کرنے کی صلاحیت

رکھتے ہیں اور ان تصنیفات کو وہ اتنا ہی بے بہا سمجھتے ہیں جتنا کوئی باغباں اپنے باغ کو سمجھتا ہے۔
ورنہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ صرف و نحو کا درس دیں اور لوگوں کی رہنمائی کر سکیں۔

افسوس ان علماء کو یہ معلوم نہیں کہ ادبیات بھی ایک بیش بہا خزانہ ہے۔ ہر متعلم کو اس سے مدد ملتی ہے اور اس کے ذوق و شوق سے ہر پڑھنے والا مستفید ہوتا ہے۔ اسی سے اسے ایک پیمانہ ملتا ہے جو عبارات اور اسالیب کی کسوٹی کا کام دیتا ہے۔ ادبیات ایک رہنما ہے جو دین کے اصول و ضوابط کو سمجھنے میں قدم قدم پر غور و فکر کرنا سکھاتا ہے اور اسی سے وہ اجتہاد کرنے لگتا ہے۔ یا کم از کم فنِ اجتہاد سے واقفیت حاصل کرتا ہے۔ اسی سے وہ زباندانی کے گُر حاصل کرتا ہے اور اسی سے وہ انسانِ ناطق اور معلّم مفید کا درجہ پاتا ہے۔ اگر علماء دین اور مشائخ کرام ادب شناس ہوتے۔ تو انہیں خیر کثیر ہاتھ لگتا اور اس شرِّ عظیم سے جو دین کے امور میں نظر آ رہا ہے۔ نجات حاصل ہو جاتی۔ دین ہمیشہ صاف ستھرا اور سیدھا راستہ اختیار کرنے والا ہے اور قرآن مجید کی آیات اور حدیث کی روایتیں ہمیشہ فرحت افزا اور روح پرور واقع ہوئی ہیں۔ ان میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ اور نہ ان پر انسانی ظن و وہم کا کوئی دخل ہے جب علمائے دین ان سے ناواقف ہوئے تو ان کے علمی ذوق میں فرق آنے لگا اور ان کی عقل پر تاریکی کے پردے چھانے لگے وہ تاویل اور تخریج کے گورکھ دھندے میں پھنس گئے۔ ان کے نزدیک الفاظ اور ان کے معانی کا باہمی رشتہ کمزور ہونے لگا۔ ان کی نظروں میں ہر لفظ ایک خاص معنی کا محل (کجاوہ) ہو گیا۔ اور ہر ایک شخص اس میں اپنے حریف سے بازی لے جانے لگا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حقیقت و مجاز اور اصل و نقل کا فرق اٹھ گیا۔ بعض الفاظ نے ایک دوسرے پر چیرہ دستی کرنا شروع کر دی اور بلا امتیاز زمانہ یا حالات وہ ایک دوسرے سے ایسے ٹکرائے کہ بالآخر وہ اپنے استعمال کرنے والوں کے ساتھ ساتھ قبر میں جا ملے۔ لیکن دینی تعلیم کے نصاب والوں میں ایک ملکہ ہو گیا۔ وہ عجیب عجیب باتیں جو غلط اور بے بنیاد تھیں علم الحدیث اور علم الفقہ میں داخل کرنے لگے۔ جن کا کوئی اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ امت کا بیڑہ غرق ہو گیا اور آج تک اس کے برے نتائج سے نجات نہ مل سکی۔